ادب لطیف

Accession No. 43967
Class No. 819
Book No. 244
103/107
10056287

101
219

بچوں کی نظمیں

مرتب: شہباز حسین صاحب

پبلی کیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس
نئی دہلی

۱۹۷۹ء

۳۹۔ پھل پھول		۵۱
۴۰۔ گلاب کا پھول	محوی صدیقی	۵۲
۴۱۔ جگنو	سکندر علی وجد	۵۳
۴۲۔ جگنو	وفا فرخ آبادی	۵۵
۴۳۔ دلربا تتلی	محوی صدیقی	۵۶
۴۴۔ رنگ برنگی تتلی	شوق قدوائی	۵۷
۴۵۔ توتا	عشرت رحمانی	۵۸
۴۶۔ کوئل	حفیظ الدین شوق	۵۹
۴۷۔ چڑیاں	محوی صدیقی	۶۰
۴۸۔ پرندے کی فریاد	ڈاکٹر محمد اقبال	۶۱
۴۹ مرغِ اسیر	دیا شنکر نسیم لکھنوی	۶۲
۵۰۔ ریچھ کا بچہ	نظیر اکبر آبادی	۶۳
۵۱۔ گائے	اسمٰعیل میرٹھی	۶۴
۵۲۔ شیر	اسمٰعیل میرٹھی	۶۵
۵۳۔ اونٹ	اسمٰعیل میرٹھی	۶۶
۵۴۔ عید	محوی صدیقی	۶۷
۵۵۔ دیوالی	سیفی سیوہاروی	۶۸
۵۶۔ پھر دھوم مچائی ہولی نے	عرش ملسیانی	۷۰
۵۷۔ جیب گھڑی	وجاہت حسین	۷۱
۵۸۔ موٹر سائکل	وفا فرخ آبادی	۷۲
۵۹۔ موٹر کار	... ...	۷۳

۶۰۔ ہوائی جہاز	شفیع الدین نیر	۷۴
۶۱۔ کوشش کیے جاؤ	اسمٰعیل میرٹھی	۷۵
۶۲۔ کہنا بڑوں کا مانو	الطاف حسین حالی	۷۶
۶۳۔ چھوٹے بڑے	نجم آفندی	۷۸
۶۴۔ فقیر کی صدا	محمد فاروق دیوانہ	۷۹
۶۵۔ نصیحت	الطاف حسین حالی	۸۰
۶۶۔ دُکھ سُکھ	الطاف حسین حالی	۸۱
۶۷۔ بنجارا	نظیر اکبر آبادی	۸۲
۶۸۔ وقت بڑا ان مول ہے بچو	شہریار پرواز	۸۵
۶۹۔ لوری	افسر میرٹھی	۸۶
۷۰۔ ننھی پجارن	مجاز لکھنوی	۸۷
۷۱۔ کنکوے	راج نرائن راز	۸۸
۷۲۔ چاند پہ جا پہنچا انسان	جگن ناتھ آزاد	۸۹
۷۳۔ ناچ بندریا	سیفی سیوہاروی	۹۰
۷۴۔ ایک کتا	اسمٰعیل میرٹھی	۹۲
۷۵۔ مزیدار کہانی	وفا فرخ آبادی	۹۳
۷۶۔ بوائے اسکاؤٹس کا گیت	افسر میرٹھی	۹۴
۷۷۔ اچھا زمانہ آتا ہے	اسمٰعیل میرٹھی	۹۶

پیش لفظ

ہندوستان کی مختلف علاقائی زبانوں میں بچوں کے لیے مناسب لٹریچر کی کمی ہے۔ بچوں کے بین الاقوامی سال کے موقع پر پبلی کیشنز ڈویژن نے اپنی بساط بھر اس کمی کو دور کرنے کی کوششیں کی ہیں اور مختلف زبانوں میں کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی پہیلیوں کا مجموعہ بھی ہے جسے بے حد پسند کیا گیا ہے۔

بچوں کو موسیقی اور موزونیت سے فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ اچھی نظمیں بچوں کی شخصیت کی نشوونما میں بے حد مددگار ہوتی ہیں۔ "رنگ برنگے پھول" میں ایسی نظمیں جمع کی گئی ہیں جو مختلف عمر کے بچوں کو پسند آئیں گی اور انھیں نہ صرف اپنے ملک کی مختلف رسموں، تہواروں اور شخصیتوں کے بارے میں جانکاری حاصل ہو گی بلکہ اس کی رنگارنگی بھی ان کے من کو لبھائے گی۔

نظموں کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اردو کے بڑے اور مشہور شعرا کی نظمیں جمع کی جائیں۔ جو نظمیں ہم نے جمع کی ہیں ان میں بہت سی ایسی ہیں جو کئی نسلوں سے بچے پڑھ رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ بچوں کو نظموں کا یہ گلدستہ پسند آئے گا۔

رام دھیجہ
ڈائرکٹر
پبلی کیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس
نئی دہلی

یکم ستمبر ۱۹۷۹ء

عرضِ مُرتب

بچّوں کی نظموں کے مجموعے اکثر چھپتے رہتے ہیں مگر ان کا مقصد بچوں کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے. اس مجموعے میں ہم نے مختلف عنوانات کے تحت ایسی نظمیں شامل کی ہیں جو سبق آموز ہونے کے علاوہ دل چسپ بھی ہوں۔

بچوں کی نظموں کے انتخاب کے سلسلے میں سب سے بڑی دشواری یہ پیش آئی ہے کہ شاعروں کے ایسے مجموعے آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکے جن سے انتخاب کیا جا سکے. بعض نظمیں مختلف رسائل میں بکھری ہوئی ہیں اور اس کا امکان ہے کہ کچھ اچھی نظمیں نظر انداز ہو گئی ہوں۔

ہمارے چند شعرا نے بچّوں کے لیے خاص طور سے لکھا ہے ان کی نظمیں زیادہ تعداد میں لی گئی ہیں. بعض نظموں سے صرف چند بند منتخب کیے گئے۔

ہم ڈاکٹر جاوید اقبال (لاہور) کے بطور خاص شکر گزار ہیں کہ انھوں نے علامہ اقبالؔ کی نظموں کو اس مجموعے میں شامل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

ہم ان تمام شعرا کے بھی شکر گزار ہیں. جنھوں نے اپنا کلام اس مجموعے میں شامل کرنے کی اجازت دی۔

شہباز حسین

خواجہ الطاف حسین حالیؔ

ساری دُنیا کے مالک

اے ساری دنیا کے مالک — راجا اور پرجا کے مالک
سب سے انوکھے، سب سے نرالے — آنکھ سے اوجھل، دل کے اُجالے
ناؤ جگت کی کھینے والے — دُکھ میں سہارا دینے والے
جوت ہے تیری جل اور تھل میں — باس ہے تیری پھول اور پھل میں
ہر دل میں ہے تیرا بسیرا — تو پاس اور گھر دُور ہے تیرا
تو ہے اکیلوں کا رکھوالا — تو ہے اندھیرے گھر کا اُجالا
بے آسوں کی آس تو ہی ہے — جاگتے سوتے پاس تو ہی ہے
سوچ میں دل بہلانے والا — بپتا میں یاد آنے والا
ہلتے ہیں پتّے تیرے ہلائے — کھِلتی ہیں کلیاں تیرے کھلائے

تو ہی ڈبوئے، تو ہی ترائے
تو ہی بیڑا پار لگائے

شفیع الدین نیّر

خُدا سے دُعا

دنیا ساری تیری ہے مولا، ساری دُنیا تیری ہے
ہوتا ہے دن رات تماشا، ساری لیلا تیری ہے

سورج تیرا، چاند بھی تیرا، تیرے سارے تارے ہیں
بجلی چمکے، بادل گرجے، سارے تیرے اشارے ہیں

سورج نکلا دن کہلایا، سورج ڈوبا، رات ہوئی
جاڑا آیا، گرمی آئی، گرمی سے برسات ہوئی

دُنیا کے یہ سارے منظر، رُوپ ہیں تیری قدرت کے
مٹّی، پانی، آگ، ہوا، بہروپ ہیں تیری قدرت کے

مسجد تیری، گرجا تیرا، مندر اور گردوارے بھی
تو ہے مالک، ہم سب بندے، گورے بھی اور کالے بھی

اے اللہ ہمارے دل میں بیَر نہ رہنے پائے ذرا
پریم کی ٹھنڈی ٹھنڈی اگنی، سینوں کو گرمائے سدا

ہم کو بھی توفیق عطا کر، ہم بھی کچھ خدمت کر جائیں
فرض اپنا ہم بھی پہچانیں، پورا اس کو کر کے دکھائیں

ڈاکٹر محمد اقبال

بچّے کی دُعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دور دُنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبّت کرنا

میرے اللہ بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

محوی صدّیقی

بچّے کی ایک دُعا

مری تجھ سے یہ ہے دُعا اے خُدا
کہ علم و ہنر تو مجھے کر عطا

وہ علم و ہُنر دے کہ جو ہوں مفید
مری کامیابی کی جو ہوں کلید

وہ علم و ہُنر جن سے عزّت مِلے
مسرّت مِلے اور دولت مِلے

بڑا ہو کے پیدا کروں نام مَیں
کروں ملک اور قوم کے کام مَیں

مجھے سب سے پیارا ہو اپنا وطن
رہے رات دن دل کو اس کی لگن

محبّت کریں مجھ سے چھوٹے بڑے
نہ کوئی خفا ہو، نہ کوئی لڑے

نہ ہاروں مَیں ہمّت کبھی کام سے
چُراؤں نہ جی کام کے نام سے

نہ محنت سے یارب تھکوں مَیں کبھی
نہ غم پاس پھٹکے، مِلے وہ خوشی

خوشی ایسی جس میں نہ بھولوں تجھے
ترا دھیان ہر وقت دل میں رہے

ترا حکم مانوں دل اور جان سے
محبّت ہو دین اور ایمان سے

افسر میرٹھی

خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

درد جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دُکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دُعا بن جاؤں

اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں
روشنی جن میں نہیں، نور جن آنکھوں میں نہیں
میں اُن آنکھوں کے لیے نورِ ضیا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں اُس آنسو کے سُکھانے کو ہوا بن جاؤں

دُور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مسافر کہیں رستے میں بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں راہ نُما بن جاؤں

عمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جھکے جاتے ہیں
ان ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کر دوں
مادرِ ہند کو جنّت کا نمونا کر دوں
گھر کرے دل میں جو افسرؔ، وہ صدا بن جاؤں

ڈاکٹر محمد اقبال

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی، دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا
اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

آرزو لکھنوی

قومی گیت

اے ماں اے ماں تجھ کو سلام، بھارت ماتا کو پرنام

تُو تو کیسی پیاری ماں ہے سب ماؤں سے اچھی ماں ہے
لاڈ اُٹھانے والی ماں ہے اپنی ماں ہے اپنی ماں ہے

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تیری مانگ میں گنگا جل ہے بھرا پُرا تیرا آنچل ہے
ہریالی ہے پھُول اور پھل ہے تیری گودی سُکھ منڈل ہے

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

سب سے اُونچے پربت والی سب سے بڑھ کر شوکت والی
سب سے بھاری دولت والی عزّت والی عظمت والی

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تیری چھاتی دھرم سمندر جس کی موجیں مسجد مندر
دونوں کی ہے گونج برابر اللہ اللہ، ایشور ایشور

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

ہندو مسلم گورے کالے پریم کے دارو کے متوالے
سب ہی تیری گود کے پالے سب ہیں بات پہ مرنے والے

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تیرے دودھ کی سب میں طاقت   اُلفت عزت ہمت جرات
تیری دعائیں فتح و نصرت   تیرے پاؤں کے نیچے جنت

ماتا کو پرنام ، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تجھ سے آشیرباد جو پائیں   آرزو ایسے بھی تن جائیں
بجلی بن کر آفت ڈھائیں   دور ہوں پھر تو ساری بلائیں

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام
اے ماں اے ماں تجھ کو سلام بھارت ماتا کو پرنام

چکبست لکھنوی

ہمارا وطن

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن
محبّت کی آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اس کے درختوں کی تیاّریاں
وہ پھل پھول پودے وہ پھلواریاں
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

ہوا میں درختوں کا وہ جھومنا
وہ پتّوں کا پھولوں کا مُنہ چومنا
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ ساون میں کالی گھٹا کی بہار
وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ باغوں میں کوئل، وہ جنگل میں مور
وہ گنگا کی لہریں، وہ جمنا کا زور
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اسی سے ہے اس زندگی کی بہار
وطن کی محبّت ہو یا ماں کا پیار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

افسر میرٹھی

وطن کا راگ

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے
ہر رُت ہر اک موسم اس کا کیسا پیارا پیارا ہے
کیسا سُہانا کیسا سُندر پیارا دیش ہمارا ہے
دُکھ میں سُکھ میں ہر حالت میں بھارت دل کا سہارا ہے

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

گنگا جی کی پیاری لہریں گیت سُناتی جاتی ہیں
صدیوں کی تہذیب ہماری یاد دلاتی جاتی ہیں
کھیتوں کو ہریالی دیتی، پھول کھلاتی جاتی ہیں

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

کرشن کی بنسی نے پھونکی ہے رُوح ہماری جانوں میں
گوتم کی آواز بسی ہے محلوں میں میدانوں میں

چشتی نے جو دی تھی مے وہ اب تک ہے پیمانوں میں
نانک کی تعلیم ابھی تک گونج رہی ہے کانوں میں

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

مذہب کچھ ہو، ہندی ہیں ہم، سارے بھائی بھائی ہیں
ہندو ہیں یا مسلم ہیں یا سکھ ہیں یا عیسائی ہیں
پریم نے سب کو ایک کیا ہے، پریم کے ہم شیدائی ہیں
بھارت نام کے عاشق ہیں ہم، بھارت کے سودائی ہیں

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

عرش ملسیانی

ہمارا دیش

دیش ہمارا سب سے نیارا   سب سے پیارا دیش ہمارا
پُورب پچھم دکھن، اُتر   اُونچے پربت گھرے ساگر
شوبھا سے بھرپُور یہ مندر   شوبھا اس کے باہر، اندر
اصغر، اکبر، شیام، منوہر   مل کر گائیں گیت یہ پیارا
دیش ہمارا سب سے نیارا   سب سے پیارا دیش ہمارا
من برکھا نہروں سے جل تھل   چوکھی کھیتی سبزی اور پھل
ہریالے ہریالے جنگل   جنگل جن میں ہردم منگل
نجمہ، زہرہ، چمپا، چنچل   مل کر گائیں گیت یہ پیارا
دیش ہمارا سب سے نیارا   سب سے پیارا دیش ہمارا
اس کی خاطر واریں تن من   اس پہ نچھاور مال اور دھن
اس کے نام کو کردیں روشن   خوب پھلے پھولے یہ گلشن
رجنی، راشد، سلمےٰ، موہن   مل کر گائیں گیت یہ پیارا

دیش ہمارا سب سے نیارا
سب سے پیارا دیش ہمارا

نجم آفندی

ہمارا دیش

بھارت سب کی آنکھ کا تارا گنگا جمنی دیش ہمارا
ہندو ہو یا مسلم کوئی اپنا گھر ہے سب کو پیارا
سب نے کی ہے سیوا جس کی سب نے مل کر جس کو سنوارا
جس کے کارن گاندھی جی نے تن بھی وارا، مَن بھی وارا
گرمی نیاری، سردی پیاری برکھا جیسے امرت دھارا
کھیتوں والا، باغوں والا آشاؤں کا پالن ہارا
پورب پچھم اُتّر دکھّن چاروں اور بسے اُجیارا
اونچا سب سے ہمالہ پربت تن سنگھ جس پر چڑھ کے پکارا

اِک دن اپنا دیش بنے گا
سارے جگ کا پریم سہارا

مضطر مجازی

بچّوں کا گیت

بھارت کے ہم راج دُلارے
بھارت کی آنکھوں کے تارے

دیش کی مایا، دیش کی دولت
آنکھ کی ٹھنڈک، دل کی راحت

ہم سے میلے، ہم سے دَنگل
ہم سے ہے جنگل میں منگل

اپنی بہاریں، اپنے نظارے
ہرے بھرے یہ کھیت ہمارے

ہر شے میں ہے رنگِ محبّت
ہر شے پر ہے اپنی حکومت

دیش کا بار اُٹھائیں گے ہم
دیش کی شان بڑھائیں گے ہم

سیدہ فرحت

بھارت دیش

کتنا اچھا، کتنا پیارا
سُندر بھارت دیش ہمارا

پھول ہیں اس میں رنگ برنگے
نیلے پیلے سبز اور اودے

سب سے ہے اس باغ کی شوبھا
باغ کا جیون سب کا ایکا

بھارت ماتا سب کی ماں ہے
سب میں اٹکی اس کی جاں ہے

ہندو مسلم سکھ عیسائی
اس کے پوت آپس کے بھائی

سب کے سُکھ سے اس کو سُکھ ہے
کوئی دُکھی ہو اس کو دُکھ ہے

بھارت باغ کی ننھی کلیو
ننھے مُنے پیارے بچّو

باغ کو اپنے خوب سجاؤ
اپنی خوشبو سے مہکاؤ

باغ کی رکھشا فرض ہے تم پر
دیش کی خدمت فرض ہے تم پر

پریم کے چشمے

فیض لدھیانوی

ایک بنو اے سُندر بچو   بے ہودہ جھگڑوں سے بھاگو
بھائی بھائی بن کر بیٹھو   جو لڑتے ہیں ان سے کہہ دو
کرشن، محمدؐ، عیسےٰ، نانک
چاروں خاص بزرگ ہیں بیشک

اپنے اپنے دھرم کو مانو   ہردم اچھے کام کی ٹھانو
ان کو سچّے رہبر جانو   ان سب کی عظمت پہچانو
سب نے بگڑی قوم سنواری
سب نے ڈوبی ناو اُبھاری

ہندو مسلم سِکھ عیسائی   کیوں کرتے ہیں روز لڑائی
آپس میں لڑنا ہے بُرائی   مذہب کا مقصد ہے بھلائی
ان کا حکم جو مانیں سارے
پھر ہو جائیں وارے نیارے

چاروں نے پھیلائی وحدت   چاروں میں تھی غیبی طاقت
چاروں نے کی خلق کی خدمت   چاروں کی واجب ہے عزّت
تم تو ان کا نام ادب سے
دل میں عقیدت رکھّو سب سے

جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ گئے سب   ظلم کے بندھن توڑ گئے سب
ٹوٹے رشتے جوڑ گئے سب   پریم کے چشمے چھوڑ گئے سب
آج بھی ان کا فیض ہے جاری
لابھ اُٹھاتے ہیں نر ناری

تلوک چند محروم

ہندو مُسلمان

ہندو مسلماں، ہیں بھائی بھائی
تفریق کیسی، کیسی لڑائی
ہندو ہو کوئی یا ہو مسلماں
عزّت کے قابل ہے بس وہ انساں
نیکی ہو جس کا کارِ نمایاں
اوروں کی مشکل ہو جس سے آساں
ہر اِک سے نیکی سب سے بھلائی
ہندو مسلماں، ہیں بھائی بھائی

ہندو مسلماں قومیں پُرانی
دونوں کی دونوں ہندوستانی
دونوں کا مسکن ہندوستاں ہے
وہ بُلبُلیں ہیں یہ گلستاں ہے
اِک سرزمیں ہے اِک آسماں ہے
دونوں کا یکجا سود و زیاں ہے
نا اتفاقی آزارِ جاں ہے
مِل جُل کے رہنا ہے کامرانی
ہندو مسلماں قومیں پُرانی

ڈاکٹر محمد اقبال

ہندوستانی بچّوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں پر پیغام حق سُنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھُڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہُنر دیا تھا
مٹّی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سُنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آکر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنّت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ساغر نظامی

گاندھی جی

دنیا تھی گو اس کی بیری، دشمن تھا جگ سارا
آخر میں جب دیکھا سادھو، وہ جیتا جگ ہارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا!

بڈھا ہے یا نئے جنم میں بنسی کا متوارا
موہن نام سہی پر سادھو رُوپ وہی ہے سارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا!

بھارت کے آکاش پہ ہے وہ ایک چمکتا تارا
سچ مچ گیانی، سچ مچ موہن، سچ مچ پیارا پیارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا!

سچّائی کے نور سے اس کے دل میں ہے اجیارا
باطن میں شکتی ہی شکتی، ظاہر میں بے چارا
کیسا سنت ہمارا
کیسا سنت ہمارا گاندھی، کیسا سنت ہمارا!

اسماعیل میرٹھی

کوہِ ہمالہ

ہے ہمالہ پہاڑ سر جیون | جس کے اُوپر تلے کھڑا ہے بَن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن | سبز چوٹی، ہرے بھرے دامن
ہے ہر اک ڈھانگ اس کی پھلواری | سَرد چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خود رُو ہے اور اس کے پاس | لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھِلے | پیڑ باہم کھڑے ہوئے ہیں مِلے
کہیں بن مالنا، کہیں بیلا | کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سرو و شمشاد ہیں قطار قطار | ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
ہیں چٹانوں پہ کودتے لنگور | ایک ہی جَست میں وہ پہنچے دوُر
شیر خوں خوار شاہ ہے یاں کا | پاڑے چیتل کو خوف ہے جاں کا
بارہ سنگھے غریب پر ہے لتاڑ | سینگ ہیں اس کے جھاڑ اور جھنکاڑ
وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر | واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر
کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے | پھر ہمالہ پر آ کے چڑھتا ہے
کبھی دیتا ہے باندھ مینہ کا تار | کبھی کرتا ہے برف کی بھرمار
تھا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی | کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی
واں سے چشمے بہت اُبل نکلے | ندی نالے ہزار چل نکلے

سِندھ و ستلج ہیں مغربی دریا اور پورب میں میگھنا ، گنگا
ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں جن میں بہتا ہے پانی الغاروں
پس سمندر سے جو رسد آئی یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی
ہوا سرسبز ہند کا میدان تیری حکمت کے اے خُدا قربان
ہند کی سر زمیں ہے اَن ماتا اور ہمالہ پہاڑ جَل داتا
اے ہمالہ پہاڑ تیری شان دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان
ساری دُنیا میں تو ہی ہے بالا پہنچے جب پاس دیکھنے والا
سامنے اِک سیاہ دَل بادل دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
گھاٹیاں جن میں گونجتی ہے صدا آبشاروں کا شور ہے برپا
دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے گویا میدان کو ڈراتا ہے
ہے مرے دل میں یہ خیال آتا کاش چوٹی پہ تیری چڑھ جاتا
واں سے نیچے کا دیکھتا میداں جس میں گنگ و جمن ہیں تیز رواں
دو لکیریں سی واں نظر آتیں دائیں بائیں کو صاف لہراتیں
اس تماشے سے جب کہ جی بھرتا تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھتا بہار بڑی گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی
پھر وطن میں جب آن کر رہتا دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

شفیع الدین نیّر

دریا

میں کیا ہوں بڑی ہے کہانی مری
سنیں آپ بھی وہ زبانی مری

پہاڑوں میں جھیلوں میں رہتا ہوں میں
نشیبوں میں ہر سمت بہتا ہوں میں

مرے گھر کا منبع رکھا نام ہے
مجھے بارش اور برف سے کام ہے

ہوں دن رات سیر و سفر میں مگن
گذرگاہ میری پہاڑ اور بن

ہوا جب کہ میں اپنے گھر سے جدا
نہ پوچھو، تھا اُس دم مرا حال کیا

چٹانوں سے رہ میں اٹکتا تھا میں
پہاڑوں سے سر کو پٹکتا تھا میں

کبھی اپنی تیوری پہ لاتا تھا بل
کبھی مارے غصے کے جاتا اچھل

کبھی منہ میں کف اپنے لاتا تھا میں
کبھی زور اپنا دکھاتا تھا میں

میں گرتا کبھی صورتِ آبشار
میں ہوتا روانہ کبھی سوئے غار

کہیں جب نہ میرا ٹھکانا ہوا
سمندر کی جانب روانا ہوا

بہت سے معاون ہوئے ہم سفر
رہے ساتھ میرے وہ شام و سحر

نشیبوں میں اس طرح بہتا ہوا
جو آفت پڑے اس کو سہتا ہوا

سمندر میں بس اب تو جاؤں گا میں
سرے پر دہانہ بناؤں گا میں

سنا کر مرا حال سب برملا
ہے نیّر کا خاموش رہنا بھلا

شفیع الدین نیّر

ہوا

عجب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے
یہ گرمی میں پنکھے ہیں جھل رہی ہے

ہے انسان حیوان کی جان اسی سے
پھلوں اور پھولوں کی سب شان اسی سے

ہوا ہی نہ ہوتی تو پھر کیا دھرا تھا
اِدھر سانس رُکتا اُدھر دم فنا تھا

ہمارے لیے اور باغوں میں جاکر
یہ لائی ہے پھولوں کی خوشبو اُڑا کر

سمندر سے آئی تو سوغات لائی
مٹانے کو گرمی کے، برسات آئی

ذرا دیر میں بھر گئے سارے جل تھل
ہرے ہو گئے اب تو جنگل کے جنگل

مگر اس کا غصہ بہت ہی بُرا ہے
بگڑنے پہ آئے تو بس پھر بلا ہے

گرجتی ہوئی، آتی ہے سنسناتی
ہر اک چیز کو توڑتی اور گراتی

کِسی کی کہیں آنکھ میں خاک جھونکی
کِسی کی کہیں سے گئی سر کی ٹوپی

اُکھاڑے کہیں پیڑ ایسا جھنجھوڑا
کہیں گھر پہ چھپّر کا تنکا نہ چھوڑا

سمندر کی موجوں کو ایسا اُچھالا
کہ پانی کا بس بن گیا اِک ہمالا

جہازوں کے ایسے پرخچے اُڑائے
کہ جاکر سمندر کی تہ میں سمائے

عجب شے ہے نیّر جہاں میں ہوا بھی
کہ نعمت بھی کہیے اسے اور بلا بھی

اسمٰعیل میرٹھی

بارش کا پہلا قطرہ

گھنگھور گھٹا تُلی کھڑی تھی   پر بُوند ابھی نہیں پڑی تھی
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہ خطرہ   ناچیز ہوں میں غریب قطرہ
آتی ہے برسنے سے مجھے شرم   مٹّی پتھر تمام ہیں گرم
خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت   پھیکی باتوں سے کیا حلاوت
کِس برتے پر مَیں کروں دلیری   مَیں کون ہوں؟ کیا بساط میری
ہر قطرہ کے دل میں تھا یہی غم   سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم
کھچڑی سی ہوا میں پک رہی تھی   کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی
اِک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور   ہمّت کے محیط کا شناور
فیّاض و جواد و نیک نیت   پھڑکی اس کی رگِ حمیت
بولا للکار کر کہ آؤ   میرے پیچھے قدم بڑھاؤ
کر گزرو جو ہو سکے کچھ احسان   ڈالو مردہ زمین میں جان
یارو یہ ہچر مچر کہاں تک   اپنی سی کرو بنے جہاں تک
مِل کر کرو گے جو جانفشانی   میدان پہ پھیر دو گے پانی
کہتا ہوں یہ سب سے بَرملا مَیں   آتے ہو تو آؤ "لو چلا میں"
یہ کہہ کے ہو گیا روانا   دشوار ہے جی پہ کھیل جانا

ہر چند کہ تھا بے بضاعت
کی اُس نے مگر بڑی شجاعت
دیکھی جرأت جو اس سخی کی
دو چار نے اور پیروی کی
پھر ایک کے بعد ایک ٹپکا
قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا
آخر قطروں کا بندھ گیا تار
بارش لگی ہونے مُوسلا دھار
پانی پانی ہوا بیاباں
سیراب ہوئے چمن خیاباں
تھی قحط سے پائمال خلقت
اس مینہ سے ہوئی نہال خلقت
جرأت قطرہ کی کر گئی کام
باقی ہے جہاں میں آج تک نام
اے صاحبو، قوم کی خبر لو
قطروں کا سا اتفاق کر لو

قطروں سے ہو گی نہر جاری
چل نکلیں گی کشتیاں تمہاری

بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی

برسات کی آمد

ملتا ہے پتہ یہ آسماں سے　　گرمی کا عمل اٹھا جہاں سے
برسات کی فصل آ رہی ہے　　پیغامِ حیات لا رہی ہے
کانٹا سا پڑا جو حلق میں تھا　　شورِ فریاد خلق میں تھا
افسردہ تھا ہر کسان کا دِل　　بوڑھے کا سا تھا جوان کا دِل
لُو کی شدّت سے فق تھے چہرے　　گرمی سے عرق عرق تھے چہرے
نارِ دوزخ برس رہی تھی　　پانی کو زمیں ترس رہی تھی
بھولے تھے پرند نغمہ خوانی　　افسانہ تھا ذکرِ شادمانی
ہرنوں کو نہ چوکڑی کا تھا ہوش　　صحرا ہیں پڑے ہوئے خاموش
صرصر کی شرارتیں، بے کار　　گرمی کی حرارتیں، بے کار

بدلی جو ہواؤں کی روانی　　مہرِ گردوں ہے پانی پانی
برسات کو پھر خدا نے بھیجا　　ہے گاؤ زمیں کا تر کلیجا
بادل کی گرج جنوں فزا ہے　　بجلی کی کڑک میں اِک ادا ہے
کھیتوں میں ہے کتنی کثرتِ آب　　پانی سے بھرے ہوئے ہیں تالاب
صحرا مثلِ چمن بنے ہیں　　گلشن رشکِ عدن بنے ہیں
طاؤس کا رقص دِل ربا ہے
پُر لطف پپیہے کی صدا ہے

الطاف حسین حالی

برسات

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے
اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے
گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی
اِک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے
ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہے جبکہ باڑھ چلتی
چھاتی ہے زمین کی دہلتی

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی
آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں
جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نِگاہ جاتی
قدرت ہے نظر خُدا کی آتی

سُورج نے نقاب لی ہے مُنہ پر
اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر

باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت
کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار
اَٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار

ہے سنگ و شجر کی ایک وردی
عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں اشجار
دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل
کہتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور پکارتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک دل لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں بیٹھ جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اُٹھاتے
سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر — پانی میں مگر، کچھار میں شیر
جاتا ہے کوئی ملہار گاتا — ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے
ہیں شکر گزار تیرے برسات — انسان سے لے کے تا جمادات
دُنیا میں بہت تھی چاہ تیری — سب دیکھ رہے تھے راہ تیری

تجھ سے کھُلا یہ رازِ قدرت
راحت ملتی ہے بعدِ کُلفت

تلوک چند محروم

برسات آئی

آئی ہیں گھِر کر کالی گھٹائیں
چلتی ہیں کیا کیا ٹھنڈی ہوائیں

برسات آئی
برسات آئی

پڑنے لگا مینہ کیا موسلادھار
گلیوں سے پانی نِکلا لگاتار

برسات آئی
برسات آئی

اب ہر طرف ہے، پانی ہی پانی
رُت آ گئی ہے کیسی سُہانی

برسات آئی
برسات آئی

برسات ہے برسات

افسر ماہر کٹی

(۱)

پھر اب کے برس آئی بڑی دھوم سے برسات
دن میں بھی تو ان کالی گھٹاؤں سے ہوئی رات
برسات تو برسات ہے برسات کی کیا بات
برسات ہے برسات

(۲)

پُورب سے چلے آتے ہیں اُمڈے ہوئے بادل
ان کے لیے سب ایک ہے بستی ہو کہ جنگل
ہر چار طرف ملک میں یہ کردیں گے جل تھل
برسات ہے برسات

(۳)

باغوں سے چلی آتی ہیں کوئل کی صدائیں
موسیقی سے ملتی ہوئی جل تھل کی صدائیں
اور دل کو ہلاتی ہوئی بادل کی صدائیں
برسات ہے برسات

(۴)

میدانوں کی باغوں کی زمیں تک بھی ہری ہے
کیاری مری ہر رنگ کے پھولوں سے بھری ہے
آنکھوں میں کھُبی جاتی ہے کیا جلوہ گری ہے
برسات ہے برسات

اظہار ملیح آبادی

جھم جھم کرتی برکھا آئی

جھم جھم کرتی برکھا آئی
جنگل میں ندیا لہرائی مست گھٹا نے لی انگڑائی
دریا ندی نالے کھائی سب نے اپنی بین بجائی
جھم جھم کرتی برکھا آئی
رنگ برنگی چٹکیں کلیاں خوشبو سے پھر مہکیں گلیاں
پھولوں کی بھر بھر کے ڈلیاں باغوں سے پھر مالن آئی
جھم جھم کرتی برکھا آئی
آڑی ترچھی مست پھواریں پھولوں کی بیلوں کو سنواریں
باغ میں ہر سو چہکاریں برکھا نے وہ دھوم مچائی
جھم جھم کرتی برکھا آئی
نکلے اصغر اور منوہر پھینکا اک تالاب میں پتھر
مینڈک بولے ٹر ٹر ٹر ٹر گردن سارس نے بھی اٹھائی
جھم جھم کرتی برکھا آئی
پاؤں منوہر کا جو پھسلا ڈگمگ کر کے لاکھ وہ سنبھلا
کیچڑ میں گر کر چلایا دوڑو دوڑو اصغر بھائی
جھم جھم کرتی برکھا آئی

اسمٰعیل میرٹھی

برسات

وہ دیکھو اُٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی
ہوا میں بھی اِک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی
تو بے جان مِٹّی میں جان آگئی
زمیں سبزے سے لہلہانے لگی
کسانوں کی محنت ٹھِکانے لگی
جڑی بُوٹیاں پیڑ آئے نِکل
عجب بیل پتّے عجب پھول پھل
ہر اِک پیڑ کا اِک نیا ڈھنگ ہے
ہر اِک پھول کا اِک نیا رنگ ہے
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا
وہاں آج ہے گھاس کا بن کھڑا

ہزاروں پُھدکنے لگے جانور
نِکل آئے گویا کہ مِٹّی کے پر

اسمٰعیل میرٹھی

شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار　　ہوا میں کِھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ　　جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ
نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے　　ہر اک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے
طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لوٹ　　سنہری لگائی ہے قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی　　بنفشی و نارنجی و چمپئی
یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہے　　ہر اِک رنگ میں اِک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ　　بنے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اس میں سُرخی کی لاگ　　ہرے بَن میں گویا لگا دی ہے آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے چھٹے لال بانات کے

بادل اور چاند

نیلے ساگر والے چاند　　مجھ کو پاس بُلا لے چاند
برکھا میں جاتا ہے کہاں تو　　لے کر شال دوشالے چاند
تارے ہیں یہ آس لگائے　　منہ پردے سے نکالے چاند
بادل کا اِک ہلکا ہلکا　　مُنہ پر آنچل ڈالے چاند
گنگا کے دھارے میں اُتر کر　　پھر کچھ غوطے کھالے چاند
لے آیا ہے کہاں سے یہ تُو　　روئی کے اتنے گالے چاند
کانپ رہے ہیں تارے، ان کو　　تُو کمبل میں چھُپا لے چاند

بادل کے پھندے میں نہ پھنسنا
سُن اے بھولے بھالے چاند

چاند

اماں جب نکلے گا چاند   چُپکے چُپکے آئے گا
میری چھوٹی کھڑکی میں   آکر مجھے جگائے گا
گیند سُنہری دکھا کے مجھے   اپنے پاس بلائے گا
بن بن کر پھر بازی گر   کیا کیا کھیل دکھائے گا
کر کے تماشا جھل مِل کا   میرے دِل کو لُبھائے گا
جال لگا کر کرنوں کا   میری نظر چُرائے گا
پھر سونے کی تھالی میں   کھا کر مجھے رجھائے گا

میں جو پکڑنا چاہوں گا
بادل میں چُھپ جائے گا

تلوک چند محروم

بادل اور تارے

(۱)

ختم ہوا دن، سورج ڈوبا شام ہوئی اور اُبھرے تارے
جگمگ جگمگ کرتے آئے نور کے ٹکڑے پیارے پیارے

(۲)

دور کہیں سے ٹھنڈے ٹھنڈے تیز ہوا کے جھونکے آئے
کاندھوں پر اپنے وہ اُٹھا کر چھوٹے چھوٹے بادل لائے

(۳)

ان کو دیکھ کے اور بھی برسا نور مسرت کا تاروں سے
کوئی چھُپا اور کوئی نکلا بادل کے ان انباروں سے

(۴)

کھیل رہے ہوں جیسے بچے آنکھ مچولی گلی گلی میں
یا شبنم کے قطرے چمکیں اوجھل ہو کر کلی کلی میں

الطاف حسین حالی

گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاں دار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھی ریگِ صحرا
اور کھول رہا تھا آبِ دریا

تھی لوٹ سی پڑی چمن میں
اِک آگ سی لگ رہی تھی بدن میں

تھیں لومڑیاں زباں نکالے
اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ
ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست
گھڑیال تھے رود بار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا
بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں
اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا آب و دانہ
تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

طوفان تھے آندھیوں کے برپا
اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن پر لو کے چلتے
شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پانی کی جگہ برستی تھی خاک

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی
وہ بادِ سموم سے سوا تھی

مٹی میں تھا دن گنواتا کوئی
تہ خانے میں مُنہ چھپاتا کوئی

بازار پڑے تھے سارے سُنسان
آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان

چلتی تھی دُکان جن کی دن رات
بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہات

خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا
یا پیاؤ پر یا سبیل پر تھا

پانی سے تھی سب کی زندگانی
میلہ تھا وہاں جہاں تھا پانی

بچّوں کا ہوا تھا حال بے حال
کمھلائے ہوئے تھے پھول سے گال

آنکھوں میں تھا ان کی پیاس سے دم
ننھے پانی کو دیکھ کرتے مم مم

پانی دیا گر کسی نے لاکر
پھر چھوڑتے تھے نہ مُنھ لگاکر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری
پانی سے نہ تھی کسی کی سیری

پُروا کی دہائی پھر رہی ہے
پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا
اِک شور ہے آسماں پہ برپا

اسمٰعیل میرٹھی

گرمی کا سماں

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

بجے بارہ تو سورج سر پر آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایا

چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دُھوپ
لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دُھوپ

زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے
کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے

در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے
بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے

پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے

درندے چھُپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں

نہ پُوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی
زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی

نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ
ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مُبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

بسمل سعیدی

گرمی

گرمی کا جو آگیا ہے موسم — بدلا ہوا ہے تمام عالم
سردی کی فضا نہیں رہی ہے — اب سرد ہوا نہیں رہی ہے
ہر چیز ہے گرم کُل جہاں گرم — ہے گرم زمیں آسماں گرم
کیا گرم ہوائیں چل رہی ہیں — گرمی سے فضائیں جل رہی ہیں
جو لو کی لپیٹ میں آگیا ہے — آفت کی جھپیٹ میں آگیا ہے
گرمی سے جو تپ رہا ہے پانی — پانی میں تڑپ رہے ہیں آبی
گاہک ہے نہ کوئی ہے خریدار — گرمی سے ہوا ہے سرد بازار
افسردگی برگ و بار پر ہے — باغوں میں خزاں بہار پر ہے
کمھلائے ہوئے ہیں پھول پتی — مُرجھائی ہوئی ہے پتی پتی
ہر چیز سے آگ اُبل رہی ہے — پنکھے سے بھی لو نکل رہی ہے

کیا قہر ہے جون کا مہینہ
ہے جسم میں خون بھی پسینہ

شفیع الدین نیّر

جاڑے کا زمانہ

ہر سال پلٹ کر آتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا
اِک رنگ نیا دکھلاتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا
ٹھنڈک سے ہاتھ اکڑتے ہیں سردی سے دانت کڑکتے ہیں
بس ناک چنے چبواتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا
اونی کوٹ اور اونی مفلر اونی کرتا اونی چسٹر
آکر ہم کو دِلواتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا
گو بیٹھے ہیں سکڑے سکڑے، ہیں لب پر سردی کے دُکھڑے
پھر بھی ہم سب کو بھاتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا
گدّا توشک، دوہر، فرغل، روئی کا لبادہ اور کمری
یہ سب کپڑے سِلواتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا
ہر چند کہ ہاتھ ٹِھٹھرتے ہیں نیّر کو مشکل پڑتی ہے
پھر بھی نظمیں لکھواتا ہے کیا خوب زمانہ جاڑے کا

ہندوستان کے پھول

ہے اس مملکت کی عجب گُل زمیں — کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں
دلِ بستہ دیکھ اُن کو ہو باغ باغ — جو سونگھیں تو بھر جائے بُو سے دماغ
گندھے بن گندھے گروہ محفل میں آئیں — تو مجلس کا عالم چمن کا بنائیں
کروں وصف کیا موگرے کا بیاں — کہ اِک اِک کلی اس کی ہے عطر داں
خوش آئند ہے نکہتِ رائے بیل — رہے بزم میں اس کی رَت ریل پیل
بہت مونیا کی پیاری ہے بُو — ہر اک گُل سے اس کی نیاری ہے بُو
جُدا سب سے ہے دوپہریا کا روپ — کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہے دھوپ
گُلوں سے نرالا ہے گُل چاندنی — چمن کا اُجالا ہے گُل چاندنی
ہر اِک گُل کا ہے رنگ و عالم جُدا — نہیں لُطف سے کوئی خالی ذرا
ہوئے سستے یوں تا کہ پہنے منگا — زنِ بے نوا و زنِ بادشا

جو عالم دکھاتے ہیں دمڑی کے پھول
وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
اعظم گڈھ۔ یوپی
AZAMGARH U.P.

پھل پھول

کِھلے پھول بیلے کے وہ لاجواب
وہ پھولے ہزاروں طرح کے گلاب
وہ پھولی چنبیلی، کِھلا موگرا
کِھلی چاندنی باغ میں جا بجا
وہ پھولی نواڑی، کِھلی کاسنی
وہ لالہ کِھلا، وہ کِھلی کامنی
یہ فطرت کا ہے قدرتی انتظام
کِھلے پھول لاکھوں طرح کے تمام
وہ پھولوں پہ اُڑتی ہوئی تتلیاں
دکھاتی ہیں قدرت کی صنّاعیاں
گِریں پھولوں پر شہد کی مکھّیاں
وہ چھتّوں سے جھکنے لگیں ٹہنیاں
وہ انگور وہ رَس بھری لیچیاں
لٹکتی ہیں آموں کی وہ کَیریاں
اناروں میں کلیاں بھی لو آگئیں
وہ کیلوں کی پھلیاں بھی گدرا گئیں
بِہی، سیب، امرود پکنے لگے
وہ شاخوں میں گوُلے چمکنے لگے
وہ پک کر شریفے بھی سب کِھل گئے
ٹپک پڑتے ہیں جو ذرا ہل گئے
لدی ہیں درختوں میں نارنگیاں
پھٹی پڑتی ہیں بوجھ سے ڈالیاں
تروتازہ سرسبز ہے ہر شجر
لگے ہیں درختوں میں فصلی ثمر
وہ صحرا کی دیکھے کوئی اب بہار
کہ پھولوں سے ہر شاخ ہے شعلہ زار
وہ پھولا ہوا ڈھاک بھی ہر طرف
لگائے ہے اِک آگ سی ہر طرف

ہیں اس شانِ قدرت پہ ہردم نثار
دکھائی ہمیں جس نے کیا کیا بہار

محوی صدیقی

گلاب کا پھول

کیا شوخ اور پیارا اے گل ہے رنگ تیرا
رہتا ہے تیرے دم سے دل کتنا شاد میرا

تجھ کو خدا نے رنگیں جامہ عطا کیا ہے
بُلبُل کے خون میں یا تو نے اسے رنگا ہے

رنگت ہے کتنی پیاری، خوشبو ہے کیسی اچھی
بُلبُل غریب جب تو شیدا ہوئی ہے تیری

پہلے نثار ہونے کو گرد گھومتی ہے
باہوں میں اپنی لے کر پھر تجھ کو چومتی ہے

شاخوں میں تجھ کو جھولا بادِ صبا جھلائے
پیڑوں پہ تیری صورت ہر ایک کو لبھائے

باغوں میں تیری رنگت کیا رنگ لا رہی ہے
ہر وقت تیری خوشبو دل کو لبھا رہی ہے

اے پھول سچ تو یہ ہے رونق ہے تو چمن کی
تیرے ہی دم سے زینت ہے میرے اِس وطن کی

جب تک رہا کلی تو یہ باغباں نہ بولا
ہے اس کا دانت تجھ پر تو نے جو مُنہ کو کھولا

مالی ضرور تجھ پر اے گُل جفا کرے گا
تیرے وطن سے تجھ کو ظالم جُدا کرے گا

یہ پھول چُننے والے کہنے کو تو بشر ہیں
دِل کو دُکھا رہے ہیں بے درد کس قدر ہیں

گلشن کو تو مُبارک تجھ کو چمن مُبارک
جب تک نصیب میں ہو لطفِ وطن مُبارک

سکندر علی وجد

جگنو

برسات کی رات تھی اندھیری
کچھ نیند اُچٹ گئی تھی میری
پانی جو برس کے کھُل گیا تھا
گلشن کا غبار دھُل گیا تھا
تاریک تھی شب مگر سُہانی
جیسے بھٹکی ہوئی جوانی
بیدار تھی باغ میں اکیلی
پھولوں سے لدی ہوئی چمیلی
نکہت برباد ہو رہی تھی
مخلوق تمام سو رہی تھی
اِتنے میں جو رَو چلی ہوا کی
قسمت ہی چمک گئی فضا کی
ہونے لگی جگنوؤں کی بارش
فطرت کے جمال کی تراوِش

روشن تھا اِس قدر اندھیرا
گویا ہونے کو تھا سویرا
رقصاں تھے زمین پر ستارے
آتش افروز سب شجر تھے
لہروں پہ ہوا کے بہہ رہے تھے
نکھری ہوئی کہکشاں کے ٹکڑے
پارے کی پھُوار پڑ رہی تھی
آکاش سے دھوپ جھڑ رہی تھی
جُگنو اس طرح اُڑ رہے تھے
ہیروں میں پَر لگے ہوئے تھے
ظلمت موتی لُٹا رہی تھی
پریوں کی برات جا رہی تھی
افشاں کا غُبار تھا چمن پر
پھُولوں کے چمک رہے تھے جھُومر
پیپل تو چنار بن رہا تھا
ہر شاخ سے نُور چھن رہا تھا
میں اس منظر میں کھو گیا تھا
ہر موئے تن آنکھ ہو گیا تھا

وفا فرخ آبادی

جگنو

ننّھا جگنو پیارا پیارا
رات میں چمکے جیسے تارا

اُونچا نیچا اُڑتا جائے
جگ مگ جگ مگ کرتا جائے

چھت پر پہنچا، گھر میں آیا
صحن میں چمکا، در میں آیا

لو وہ دیکھو پیڑ پہ پہنچا
آہا آہا کیسا چمکا

ننّھا سا وہ پیارا پیارا
جیسے رات کا روشن تارا

آگ لگا دی باغ میں جا کر
نور کی افشاں چھڑکی گھر گھر

تالی کی آواز پہ آیا
پکڑا پھر ٹوپی میں چھُپایا

بیٹھ کے اس میں چمکا کیسا
تارا بن کر دمکا کیسا

کیا ننّھی سی جان ہے پیاری
سب سے انوکھی سب سے نرالی

محوی صدیقی

دلربا تتلی

خوش نما جسم ترا او تتلی
دِل رُبا تیری ادا او تتلی

صرف صورت تری کیا پیاری ہے
تیری اُڑنے کی ادا پیاری ہے

جسم چھوٹا سا ہے، نازک بازو
اُڑنے والا گُلِ رعنا ہے تو

جا کے ہر پھول پہ چالاکی سے
تو لپٹ جاتی ہے بیباکی سے

پیار کرتی ہے اُسے چُوم کے تو
لیتی ہے اس سے غذا جھوم کے تو

دی ہے فطرت نے نزاکت تجھ کو
کہ کسی پھول پہ تو بار نہ ہو

کیسے خوش رنگ پروں پر ہیں یہ تِل
دیکھ کر جن کو ہوا خوش یہ دِل

چھوٹے چھوٹے ہیں ترے اے روشن
یا پروں پر ہیں ستارے روشن

تو جو اُڑتی ہے اِدھر اور اُدھر
پھول اُڑتے ہوئے آتے ہیں نظر

گھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی
جھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی

لوریاں تجھ کو ہوا نے دی ہیں
شوخیاں تجھ سے صبا نے کی ہیں

رنگ کچا ترا پیارا ہے مگر
گل ترے حسن سے جلتی ہے نظر

آئے آندھی کا جو کوئی جھونکا
تو ہے دُشوار ٹھہرنا تیرا

بھاگ، اُڑ، بھاگ وہ بچے آئے
ان کے ہاتھوں سے نہ پکڑی جائے

ناسمجھ ہیں، تجھے کب چھوڑیں گے
تجھ کو پائیں گے تو پَر توڑیں گے

ہے یہی دوست ترا اے تتلی
مان محوی کا کہا اے تتلی

شوق قدوائی

رنگ برنگی تتلی

پر کھول کے تتلیوں کی پرواز　　پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز
اِس پھول سے اُڑ کر اُس پہ بیٹھیں　　رَس لے کے اُڑیں وہ جس پہ بیٹھیں
نازک نازک وہ خوش نُما پر　　اُڑتی ہوئی پتّیاں ہوا پر
وہ نقش و نگار اور وہ بوٹے　　پر اُن کا چھوؤ تو رنگ چھوٹے
رنگ اُن میں بہت ملے ہوئے ہیں　　پر کیا ہیں چمن کِھلے ہوئے ہیں
ہیں رنگ کئی ہر ایک پر پر　　چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پر
ہے رنگ کسی کا زرد گہرا　　اتنا گہرا کہ بس سُنہرا
کوئی، جس کے سپید ہیں پر　　جیسے چاندی کے صاف پتّر
طاؤسی، صندلی، گُلابی　　دھانی، کاسنی، سیاہ، آبی
پیلے، اودے، زمرّدی، لال　　ہر رنگ کے پر ہیں بے خط و خال

پرواز بھی حُسن ہے، پھبن بھی
رنگت بھی ہے، حسن، سادہ پن بھی

طوطا

نشرت رحمانی

میرے پاس اِک طوطا آیا
مَیں نے اُس کو خوب پڑھایا
ٹیں ٹیں چھوڑی اس نے ساری
بولی سیکھی پیاری پیاری

میٹھی باتیں سُن کر اس کی
سارے لوگوں کو حیرت تھی
جو کچھ مَیں نے اس کو سِکھایا
اس نے مجھ کو صاف سُنایا

نام کبھی وہ رام کا جپتا
ہِل ہِل اللہ اللہ پڑھتا

دِل میں یہ سوچو اور سمجھو
طوطا اِک چڑیا ہے بچّو

میرے سکھائے پڑھنے لگا وہ
میٹھی باتیں کرنے لگا وہ
اُٹھو کیوں حیران ہو بچّو
تُم تو پھر انسان ہو بچّو
لکھنا سیکھو، پڑھنا سیکھو
محنت کرکے بڑھنا سیکھو

حفیظ الدین شوقی

کوئل

تیری رنگت کالی کالی
تیری صورت بھولی بھالی
اُڑنے والی ڈالی ڈالی
بَن میں شور مچانے والی کوئل تیری کوک نرالی
باغ میں تیری رَٹ کو کو کی
دیتی ہے اِک لُطف عجب ہی
سُنتا ہے جب کوک کو تیری
خوش ہوتا ہے باغ کا مالی کوئل تیری کوک نرالی
تجھ کو آموں سے رغبت ہے
آم کے باغوں سے اُلفت ہے
کو کو کرنے کی عادت ہے
کوک سے دل تڑپانے والی کوئل تیری کوک نرالی
لڑکے تیری کوک کو سُن کر
نقل تری کرتے ہیں اکثر
تُو گاتی ہے اُن سے بہتر
اُن کی کوک میں ہے نقّالی کوئل تیری کوک نرالی

محوی صدیقی

چڑیاں

چڑیاں گھروں میں آتی ہیں — اُڑتی پھرتی ہیں غُل مچاتی ہیں
کر کے چوں چوں لپکتے ہیں بچّے — جب یہ کچھ لے کے گھر میں آتی ہیں
کوئی اس وقت کی خوشی دیکھے — دانے چُن چُن کے جب یہ لاتی ہیں
اِن کا بچّہ کوئی پکڑ لے تو — بلبلاتی ہیں، تلملاتی ہیں
ہو کے بیتاب اور خفا پھر وں — اپنا غصّہ ہمیں دکھاتی ہیں
چھوڑ دو چھوڑ دو خُدا کے لیے — یہی چلّاتی، گڑگڑاتی ہیں
نہ ستاؤ تم ان کے بچّوں کو — تُم کو، بچّو یہ کب ستاتی ہیں
نہ دُکھاؤ دل ان کا ننھّا سا — کب تمھارا یہ دل دُکھاتی ہیں

جیسے تم سب ہو، یہ بھی پیارے ہیں
اپنے ماں باپ کے دُلارے ہیں

ڈاکٹر محمد اقبال

پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی
اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مُسکرانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت
آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا
آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں
کیا بد نصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں مَیں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار، کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں
مَیں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
اس قید کا الٰہی دُکھڑا کِسے سُناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں مَیں غم سے مر نہ جاؤں
جب سے چمن چُھٹا ہے، یہ حال ہو گیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سُننے والے
دُکھتے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
مَیں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دُعا لے

دیا شنکر نسیم لکھنوی

مرغِ اسیر

اک مرغ ہوا اسیر صیّاد
دانا تھا وہ طائرِ چمن زاد
بولا جب اس نے باندھے بازو
کھلتا نہیں کس طرح پہ ہے تو
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں
گر ذبح کیا تو مشتِ پر ہوں
پالا، تو مفارقت ہے انجام
دانا ہے تو مجھ سے لے مرے دام
بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ
سمجھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھ
سُن، کوئی ہزار کچھ سُنائے
کیجے وہی جو سمجھ میں آئے
قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت
عاجز ہو تو ہار دیے نہ ہمّت
آتا ہے تو ہاتھ سے نہ دیجے
جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجیے
طائر کے یہ سُن کلام، صیّاد
بن داموں ہوا غلام، صیّاد
بازو کے جو بند کھول ڈالے
طائر نے تڑپ کے پَر نکالے
اک شاخ پہ جا، چہک کے بولا
کیوں؟ پَر مرا کیا سمجھ کے کھولا
ہمّت نے مری مجھے اُڑایا
غفلت نے تری مجھے چھڑایا
دولت نہ نصیب میں تھی تیرے
تھا لعل نہاں شکم میں میرے
دے کے صیّاد نے دلاسا
چاہا پھر کچھ لگائے لاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جعل
طائر بھی کہیں نگلتے ہیں لعل
ارباب غرض کی بات سُن کر
کر لیجیے یک بیک نہ باور

ریچھ کا بچّہ

کل راہ میں جاتے جو مِلا ریچھ کا بچّہ — لے آئے وہیں ہم بھی اُٹھا ریچھ کا بچّہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچّہ — جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچّہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچّہ

تھا ہاتھ میں اِک اپنے سوا سیر کا سونٹا — لوہے کی کڑی جس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ پڑا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا — بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچّہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر — وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر — ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خُدا نے یہ دیا ریچھ کا بچّہ

اس ریچھ کے بچّے میں تھا اس ناچ کا ایجاد — کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد — اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے اُستاد
تو بھی جیے اور تیرا سدا ریچھ کا بچّہ

جب کُشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا — للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتاڑا
گہہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہہ اس نے پچھاڑا — اِک ڈیرا سا پھر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچّہ

یہ داؤں و پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر — یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر
سب نقد ہوئے آ کے سوا لاکھ روپے ڈھیر — جو کہتا تھا ہر اک سے اسی طرح سے منھ پھیر
یارو تو لڑا دیکھو ذرا ریچھ کا بچّہ

اسمٰعیل میرٹھیؔ

گائے

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی

دانا، دُنکا، بھوسی، چوکر
کھا لیتی ہے سب خوش ہو کر

کیا ہی غریب اور کیسی پیاری
صبح ہوئی جنگل کو سِدھاری

پانی پی کر، چارا چر کر
شام کو آئی اپنے گھر پر

کل جو گھاس چری تھی بَن میں
دودھ بنی وہ اس کے تھَن میں

دودھ ہے سب بچّوں کو دیتی
بیلوں سے ہوتی ہے کھیتی

دُودھ دہی اور میٹھا مسکا
دے نہ خُدا تو کِس کے بَس کا

شیر

اسمٰعیل میرٹھی

اے شیر! تیرے تن پہ ہے طاقت کا پوستیں
شاہی کے حق میں کوئی بھی ساجھی ترا نہیں
پیدا ہے تیرے رُخ سے تری شوکت و جلال
ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرے حال
دل تیرا بُزدلی و غلامی سے ہے بری
پھٹکے نہ تیرے پاس کبھی خوف اے جری
تیرا حریف کون ہے؟ جو تو ہٹے بچے
جھپکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تری نیچے
حق نے عطا کیا ہے تجھے زور بے خلل
فولاد کی رگیں ہیں تو دل ہے تیرا اٹل
حملے سے تیرے بچنے کا کافی نہ ہو مگر
اللہ رے تیرا حوصلہ، بل بے ترا جگر
غرّا کے شیر کرتا ہے جب جوش اور خروش
جنگل تمام ہوتا ہے سنسان اور خموش
پہچانتے ہیں جانور آوازِ شیر کی
اس ہول کی صدا سے دہلتا ہے سب کا جی
جاتی ہے اُن کے پانو تلے سے زمیں نکل
ہیں بھاگتے کہ گویا تعاقب میں ہے اَجل
اے شیر! تو ہے شاہ، ترا تخت ہے کچھار
ہے کس کو تیرے ملک میں دعوائے گیرو دار

اسمٰعیل میرٹھی

اُونٹ

اونٹ تو ہے بس حلیم و خوش خصال ۔۔۔ تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال
تیری پیدائش رفاہِ عام ہے ۔۔۔ آدمی کے واسطے آرام ہے
کھانا کپڑا تجھ سے پاتے ہیں بشُر ۔۔۔ تو نے دی ہے ان کو روزی قرض پر
لق و دق صحرا میں یا میدان میں ۔۔۔ اور عرب کے گرم ریگستان میں
نے چٹانیں سایہ افگن ہیں جہاں ۔۔۔ اور نہ آبِ سرد کے دریا رواں
تو وہاں کے مرحلے کرتا ہے طے ۔۔۔ دن بہ دن اور ہفتہ ہفتہ پے بہ پے
قیمتی اشیا ہیں تیری پشت پر ۔۔۔ تاجروں کا ریشم اور شاہوں کا زر
جبکہ ہفتے چند جاتے ہیں گزر ۔۔۔ اور تھکا دیتا ہے راکب کو سفر
اُونٹ گھبراتا نہیں تو بار سے ۔۔۔ دیکھتا ہے اس کی جانب پیار سے
گویا کہتا ہے کہ اے میرے سوار ۔۔۔ ایک دن تو اور بھی ہمت نہ ہار
راہ میں کم ہمتی سے مت پھسل ۔۔۔ صاف سرچشمہ ہے آگے بڑھ کے چل
مجھ کو آتی ہے ہوا سے بوئے آب ۔۔۔ نااُمیدی سے نہ کر تو اضطراب
اونٹ تو کرتا ہے اس کی رہبری ۔۔۔ یوں بنا دیتا ہے راکب کو جَری
آخرش منزل پہ پہنچاتا ہے تو ۔۔۔ اور سوکھے خار و خس کھاتا ہے تو
صبر سے کرتا ہے طے راہِ دراز ۔۔۔ سچ کہا ہے "تو ہے خشکی کا جہاز"

الغرض تو ہے حلیم و خوش خصال
تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال

محوی صدیقی

عید

ننھے بچو! لو عید آئی   گھر گھر کیسی خوشیاں لائی
لازم ہے اب شکر خدا کا   جس نے ہمیں یہ عید دکھائی

آؤ چلو تو سیر کر آئیں   چل کر کچھ بازار سے لائیں
اچھی اچھی چیزیں لائیں   لاکر گھر میں بیٹھ کے کھائیں

ننھے منے کھلونے آئے   جن کو دیکھ کے جی للچائے
چن کر دو چار ایسے لائیں   گھر میں ہر اک خوش ہو جائے
گڑیاں جس دم مل جائیں گی   باچھیں ہی بس کھل جائیں گی
آج ہی زیور بن جائے گا   پوشاکیں بھی سل جائیں گی

آج تو خوش خوش بہت سویرے   حامد اور محمود بھی اٹھے
اپنی ماں سے ہے یہ تقاضا   کپڑے لاؤ اچھے اچھے
ابا کو اب ساتھ وہ لیں گے
چلیے بازار، ان سے کہیں گے

میفی سیوہاروی

دیوالی

ہنستی ہوئی خوش حالی آئی
بھارت میں دیوالی آئی
اندھیر مٹانے آئی ہے
گلزار کھلانے آئی ہے

نور سے اس کے سب گھر چمکے
دیواریں چمکیں، در چمکے
طاقوں میں پرنور قطاریں
ہر سو قندیلوں کی بہاریں

بانسوں میں لٹکاتے ہیں جو
رسّی سے بندھواتے ہیں جو
روشن یوں تاریک فضا ہے
جیسے تارے چاند گھٹا ہے

رونق سبزہ زاروں میں بھی
کوچوں میں بازاروں میں بھی
بھیڑ بھڑکا ہے ریلا ہے
اچھا خاصہ اک میلا ہے

کندھے سے کندھا چھلتا ہے
مشکل سے ساتھی ملتا ہے

خوب سجی ہیں چار دُکانیں
جن پر ہیں رنگین کمانیں

حلوائی کے کرتب دیکھو
تھال سجانے کے ڈھب دیکھو

برفی کے کچھ محل کھڑے ہیں
جن پر پستے خوب جڑے ہیں

پیڑوں کے دروازے آہا
اِن پر لڈّو تازے آہا

بُرجوں کی مضبوطی دیکھیں
ان پر ہیں پیٹھے کی توپیں

کونوں پر مینار کھڑے ہیں
کھانڈ کے پہرے دار کھڑے ہیں

کیا کہنے ہیں تیرے حلوائی
تُونے بلڈنگ خوب بنائی

گاہک اِس کو ڈھا جائیں گے
بچّے سب کچھ کھا جائیں گے

عرش ملسیانی

پھر دھوم مچائی ہولی نے

اُڑتے ہیں ابیر گلال یہاں چہرے ہیں سبھوں کے لال یہاں
کوئی حال مست، کوئی مال مست لُٹتا ہے نشے کا مال یہاں
پھر دفتر رقص و رنگ کھُلا، پھر دھوم مچائی ہولی نے
پھر ڈھول بجا، پھر رنگ اُڑا، پھر دھوم مچائی ہولی نے

اک دھینگا مُشتی ہوتی ہے کچھ دنگا کُشتی ہوتی ہے
جو رنگ سے ڈرتے ہیں ان سے سختی و درشتی ہوتی ہے
اودھم سا ہے گلیوں میں مچا، پھر دھوم مچائی ہولی نے
پھر ڈھول بجا، پھر رنگ اُڑا، پھر دھوم مچائی ہولی نے

ہیں ناچ میں سارے نر ناری ہے ہاتھ میں سب کے پچکاری
اک راس رچی ہے گھر گھر میں جیسے آئے ہوں گردھاری
ہے راگ و رنگ کا روپ نیا، پھر دھوم مچائی ہولی نے
پھر ڈھول بجا، پھر رنگ اُڑا، پھر دھوم مچائی ہولی نے

وجاہت حسین

جیب گھڑی

ہے بہت اچھی مری چھوٹی گھڑی
چلتی رہتی ہے یہ ٹِک ٹِک ہر گھڑی
گھومتی رہتی ہیں دونوں سوئیاں
ایک چھوٹی ہے تو ایک اُس سے بڑی
اُس کا ڈھکّن کھول کر دیکھو ذرا
واہ وا اندر تو ہے جگ مگ بڑی
پھر رہی ہیں پھرکیاں سی بیسیوں
کس صفائی سے ہر اک ہے کل جُڑی
اِس کے پُرزے چلتے رہتے ہیں سدا
بس اِسی سے نام ہے اِس کا گھڑی

وفا فرخ آبادی

موٹر سائکل

پھٹ پھٹ، پھٹ پھٹ کرنے والی
بیلوں کا دَم بھرنے والی
آن بڑی ہے شان بڑی ہے
دو پہیوں میں جان بڑی ہے
جنگل بستی شور مچاتی
سڑکوں پر ہے دَوڑ لگاتی
دانہ چارا کچھ نہیں کھاتی
پھر بھی کوسوں دَوڑ کے جاتی
تھک جانے کا نام نہیں ہے
بیٹھے رہنا کام نہیں ہے
کرُسی ایک لگائیں اُس میں
بچّے ساتھ بٹھائیں اُس میں

سرپٹ دَوڑ کے جانے والی
چھٹ پٹ کام بنانے والی

شفیع الدین نیرؔ

موٹر کار

تیز ہوا سے باتیں کرتی دوڑتی اور فراٹے بھرتی
موٹر آئی خاک اڑاتی پوں پوں کرتی شور مچاتی
اگلی سیٹ پہ بیٹھا شوفر صاحب بیٹھے کود کے اندر
شوفر نے بھونپو کو بجایا پھر دو اک پرزوں کو ہلایا
چابی پھیری جلدی جلدی دھک دھک کرتی موٹر چل دی
لو میں بتاؤں موٹر کیا ہے چلتا پھرتا اک کمرا ہے
اُس کے پانو ربڑ کے پہیے چلنے میں بس آندھی کہیے
کل کا گھوڑا اِس میں جُتا ہے پُرزہ پُرزہ خوب بنا ہے
پانی اور پٹرول پلاؤ چاہے جہاں اس کو لے جاؤ
اس کے سِوا کچھ اور نہ کھائے دانے گھاس کے پاس نہ جائے
بہلی، اِکّا، بگھی، ٹم ٹم تیزی میں ہیں اِس سے سب کم

کیا کہنا تیرا کاری گر
خُوب بنائی تُو نے موٹر

شفیع الدین نیّرؔ

ہوائی جہاز

وہ دیکھو ہوائی جہاز آگیا / بجاتا ہوا اپنا ساز آگیا
ہواؤں میں وہ زنزناتا ہوا / گرجتا ہوا، گھنگھناتا ہوا
ہوا کی طرح سنسناتا ہوا / بلندی پہ کیا دندناتا ہوا
جو ننھی نے پوچھا کہ بھائی یہ کیا / چلا جا رہا ہے اُڑا چیل سا
تو فوراً لگا ہنس کے کہنے جمیل / اری اس کو کہتے ہیں لوہے کی چیل
ہیں اس چیل کے پیٹ میں آدمی / اُڑا کر انھیں ہے لیے جا رہی
مگر مَیں نے اس کو بتایا یہ راز / کہ دراصل ہے یہ ہوائی جہاز
ہوا پر یہ جاتا ہے اس طرح سے / سمندر میں جس طرح کشتی بہے
جمیل اس کو سُن کر بہت خوش ہوا / اُچھلنے لگا اور کہنے لگا
بڑا ہو کے سمجھوں گا میں اس کا راز
چلاؤں گا میں بھی ہوائی جہاز

اسمٰعیل میرٹھی

کوشش کیے جاؤ

دکاں بند کر کے رہا بیٹھ جو   تو دی اس نے بالکل ہی لُٹیا ڈبو
نہ بھاگو کبھی چھوڑ کر کام کو   توقع تو ہے خیر جو ہو سو ہو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو پتھر پہ پانی پڑے متّصل   تو گھس جائے بے شبہہ پتھر کی سِل
رہو گے اگر تم یونہی مستقل   تو اِک دن نتیجہ بھی جائے گا مل
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

اگر طاق میں تم نے رکھ دی کتاب   تو کیا دو گے کل امتحاں میں جواب
نہ پڑھنے سے بہتر ہے پڑھنا جناب   کہ ہو جاؤ گے ایک دن کامیاب
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو   جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقّت اُٹھاؤ، مصیبت بھرو   طلب میں جیو، جستجو میں مرو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو تم شیر دل ہو تو مارو شکار   کہ خالی نہ جائے گا مردوں کا وار
مشقت میں باقی نہ رکھنا اُدھار   جو ہمّت کرو گے تو بیڑا ہے پار
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

الطاف حسین حالیؔ

کہنا بڑوں کا مانو

اے بھولے بھالے بچو، کہنا بڑوں کا مانو
سر پر بڑوں کا سایہ، سایہ خدا کا جانو
حکم اُن کا ماننے میں برکت بڑی ہے جانو
چاہو اگر بڑائی، کہنا بڑوں کا مانو

ماں باپ اور اُستاد، سب ہیں خدا کی رحمت
ہے روک ٹوک ان کی حق میں تمھارے رحمت
کڑوی نصیحتوں میں اُن کی، بھرا ہے امرت
چاہو اگر بڑائی، کہنا بڑوں کا مانو

ماں باپ کا عزیزو، مانا نہ جس نے کہنا
دُشوار ہے جہاں میں عزت سے اُس کا رہنا
ڈر ہے، پڑے نہ صدمہ ذلت کا اس کو سہنا
چاہو اگر بڑائی، کہنا بڑوں کا مانو

دُنیا میں کی جنھوں نے ماں باپ کی اطاعت
دُنیا میں پائی عزت، عقبیٰ میں پائی راحت
ماں باپ کی اطاعت، ہے دو جہاں کی دولت
چاہو اگر بڑائی، کہنا بڑوں کا مانو

"سیکھو گے علم و حکمت، اُن کی ہدایتوں سے
پاؤ گے مال و دولت، اُن کی نصیحتوں سے
پھولو گے اور پھلو گے اُن کی ملامتوں سے
چاہو اگر بڑائی، کہنا بڑوں کا مانو
تم کو خبر نہیں کچھ اپنے بُرے بھلے کی
جتنی ہے عمر چھوٹی، اُتنی ہے عقل چھوٹی
ہے بہتری اسی میں جو ہے بڑوں کی مرضی
چاہو اگر بڑائی، کہنا بڑوں کا مانو
ہے کوئی دن میں پیارو وہ وقت آنے والا
دُنیا کی مشکلوں سے تم کو پڑے گا پالا
مانے گا جو بڑوں کو، جیتے گا وہ ہی پالا
چاہو اگر بڑائی کہنا بڑوں کا مانو

نجم آفندی

چھوٹے بڑے

چھوٹا سا ایک بیج اگر ہے تو کیا ہوا — کِتنا بڑا درخت ہے اس میں چھپا ہوا
دھرتی میں ڈال دیتا ہے جب وقت پر کسان — پھر دیکھنے کی ہوتی ہے اس بیج کی اُٹھان
سنسار جی رہا ہے اسی کام کاج سے — کِتنوں کے پیٹ بھرتے ہیں اس کے اناج سے
چھوٹے سے تِل میں آنکھ کے اِتنی بڑائی ہے — دریا ہوں یا پہاڑ ہوں سب کی سمائی ہے
پھولوں کا اور چاند ستاروں کا رنگ رُوپ — دو آنکھیں دیکھتی ہیں ہزاروں کا رنگ رُوپ
پھیلا ہے سارے گھر میں اُجالا چراغ ایک — گُن کتنے ہیں دماغ میں اور ہے دماغ ایک
مِل جُل کے ایک پانی کا دریا بہاتی ہیں — بوندیں ہیں چھوٹی چھوٹی جو ساگر بناتی ہیں
یہ میز پر تمھاری جو چھوٹی سی ہے کتاب — چھوٹی سی اس کتاب میں لاکھوں کا ہے حساب
چھوٹا سا دل ہے اس میں اُمنگیں بڑی بڑی — دل اور بڑھ گیا کوئی مشکل جو آ پڑی

چھوٹی سی عمر میں جو ارادے رہے کڑے
دُنیا میں تم بھی کام کروگے بڑے بڑے

محمد فاروق دیوان

فقیر کی صدا

جو عمر میں مُفت گنوائے گا وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تُو کب تک دیر لگائے گا یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

جو موقع پاکر کھوئے گا وہ اشکوں سے مُنہ دھوئے گا
جو سوئے گا وہ روئے گا اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا جو ہونا ہے وہ ہوئے گا
اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

یہ دُنیا آخر فانی ہے اور جان بھی اِک دن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے کر ڈال جو دل میں ٹھانی ہے
جب ہمّت کی جولانی ہے تو پتھّر بھی پھر پانی ہے
اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

الطاف حسین حالیؔ

نصیحت

بڑھاؤ نہ آپس میں مِلّت زیادہ
مَبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلّف، علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلّف کی عادت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزّت
جو چاہو، کریں لوگ عزّت زیادہ

فراغت سے دُنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

جہاں، رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

مصیبت کا ایک اِک سے احوال کہنا
مصیبت سے۔ہے یہ مصیبت زیادہ

ہے اُلفت بھی وحشت بھی دُنیا سے لازم
نہ اُلفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

الطاف حسین حالی

دُکھ سُکھ

دُکھ سے یہاں کے گھبرانا کیا
سُکھ پہ یہاں کے اِترانا کیا

ہیں وہ دن کے سب بہلاوے
آگے چل کر ہیں پچھتاوے

ریت کی سی دیوار ہے دُنیا
اوچھے کا سا پیار ہے دُنیا

آج ہے پانا، کل ہے کھونا
آج ہے ہنسنا، کل ہے رونا

ہار کبھی اور جیت کبھی ہے
اِس نگری کی ریت یہی ہے

یاں کوئی دن دُکھ پایا تو کیا
اور کوئی دم سُکھ پایا تو کیا

گھُونٹ اِک ایسا مجھ کو پلادے
تیرے سوا جو سب کو بھُلادے

آئے کسی کا دھیان نہ جی میں
کوئی رہے ارمان نہ جی میں

نظیر اکبر آبادی

بنجارا

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزّاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقّارا
کیا بھینسا بدھیا، بیل شتر، کیا گونی پلاّ سر بھارا
کیا گیہوں چاول، موٹھ، مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اِک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکّر، مصری، قند، گری کیا سانبھر، میٹھا پانی ہے
کیا داکھ منقا، سونٹھ، مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچّھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزّاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اِک کُنبہ کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

شہر یار پرواز

وقت بڑا اَن مول ہے بچّو

وقت بڑا انمول ہے. بچّو

وقت بڑا انمول ہے. بچّو   پل پل اس کا ہیرا سمجھو
وقت کی عزّت کرنا سیکھو   اس دُنیا میں جینا سیکھو
پل پل کے یہ ہیرے موتی پلکوں سے لو، رول
وقت بڑا انمول ہے. بچّو وقت بڑا انمول
وقت کی گودی سے اُٹھّے تھے   گاندھی جی اور چاچا نہرو
مولانا آزاد سے گیانی   جن کی باتیں گیان کی بانی
گیان کی بانی کا بھی بھلا ہے دُنیا میں کیا مول
وقت بڑا انمول ہے. بچّو وقت بڑا انمول
ٹیچر ہو یا بھائی اپنا   عزّت سب کی دل سے کرنا
سب سے پریم اور پیار سے ملنا   نفرت کے سایے سے. بچنا
ان باتوں کو سوچو سمجھو اور دل میں لو تول
وقت بڑا انمول ہے. بچّو وقت بڑا انمول

لوری

افسر میرٹھی

سو جا آنکھ کے تارے سو جا   سو جا دل کے سہارے سو جا
سو جا راج دُلارے سو جا   سو جا چاند ہمارے سو جا
سو جا سو جا پیارے سو جا

رات نے جھنڈے سُکھ کے اُڑائے   نیند کھڑی ہے پیر پھیلائے
ماں اپنے بچّے کو سُلائے   دھیمے سُروں میں لوری گائے
سو جا سو جا پیارے سو جا

کلیاں شاخوں پر سوتی ہیں   شاخیں جھک کر سوتی ہیں
چڑیاں بے بستر سوتی ہیں   باجی اپنے گھر سوتی ہیں
سو جا سو جا پیارے سو جا

آہستہ کھیتوں سے نکل کر   ندی سے گزری ہے سنبھل کر
پیڑوں کے سایے میں ٹہل کر   نیند آئی ہے دُور سے چل کر
سو جا سو جا پیارے سو جا

یاس میں آس بندھائے گا تُو   بگڑے کام بنائے گا تُو
دُکھ دُنیا کا مٹائے گا تُو   سُکھ دے گا سُکھ پائے گا تُو
سو جا سو جا پیارے سو جا

خدمت کرنا پیارے وطن کی   رونق بننا اپنے وطن کی
یاد نہ آئے رنج و محن کی   کرنا قدر افسرؔ کے سخن کی
سو جا سو جا پیارے سو جا

مجاز لکھنوی

ننھی پجارن

اک ننھی منی سی پجارن　　پتلی باہیں پتلی گردن
بھور بھئے مندر آئی ہے　　آئی نہیں ہے ماں لائی ہے
وقت سے پہلے جاگ اٹھی ہے　　نیند ابھی آنکھوں میں بھری ہے
آنکھوں میں تاروں کی چمک ہے　　مکھڑے پہ چاندی کی جھلک ہے
کیسی سندر ہے کیا کہیے　　ننھی سی اک سیتا کہیے
دھوپ چڑھے تارا چمکا ہے　　پتھر پر اک پھول کھلا ہے
چاند کا ٹکڑا پھول کی ڈالی　　کم سن سیدھی بھولی بھالی
کان میں چاندی کی بالی ہے　　ہاتھ میں پیتل کی تھالی ہے
دل میں لیکن دھیان نہیں ہے　　پوجا کا کچھ گیان نہیں ہے
کیسی بھولی اور سیدھی ہے　　مندر کی چھت دیکھ رہی ہے
ماں بڑھ کر چٹکی لیتی ہے　　چپکے چپکے ہنس دیتی ہے
ہنسنا رونا اس کا مذہب　　اس کو پوجا سے کیا مطلب

خود تو آئی ہے مندر میں
من ہے اس کا گڑیا گھر میں

۔ راج نرائن راز

کنکوّے

نیلے ، لال ، سنہرے ، پیلے
کنکوّے ، یہ رنگ برنگے
دھرتی پر لگتے ہیں پیارے
لیکن جب اُڑتے ہیں فرفر
اُونچے ، اُونچے دوشِ ہَوا پر
آنکھ کوئی بھی کہہ نہیں سکتی
کون سا کنکوّا ہے نیلا !
کون ہے پیلا !
کون سُنہرا !

جگن ناتھ آزاد

چاند پہ جا پہنچا انسان

جو بھی مشکل راہ میں آئی پل میں تھی آسان
اپنی ہمت سے انساں نے مارا وہ میدان
مٹی بولی میرے دل کا نکلا آج ارمان

چاند پہ جا پہنچا انسان

راکٹ ایک اُڑا دھرتی سے اور ہوا میں پہنچا
اس کو ہوا سے کیا لینا تھا دُور فضا میں پہنچا
اس سے بھی کچھ آگے نکلا اور خلا میں پہنچا

ہمت میں تجھ پر قربان
چاند پہ جا پہنچا انسان
جو بھی مشکل راہ میں آئی پل میں تھی آسان

اب مریخ بھی دُور نہیں ہے چاند پہ جانے والے
تیری ہمت پر نازاں ہیں آج زمانے والے
دُور زمیں سے سیاروں کا کھوج لگانے والے
علم و ہنر کی ایک نئی تاریخ بنانے والے

تیرا کام ہے عالی شان
ہمت! میں تجھ پر قربان
چاند پہ جا پہنچا انسان
جو بھی مشکل راہ میں آئی پل میں تھی آسان

سیفی سیوہاروی

ناچ بندریا

زرد شلوکا، لال گھگریا
گوٹے والی سبز چُنریا
رُوپ کلا! گلفام! سُندریا!
پاؤں اُٹھا، لچکا دے کمریا
ناچ چھما چھم ناچ بندریا
ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ

وہ بیٹھا ہے تیرا سنوریا
بنّو! ڈھب سے اوڑھ چُنریا
خوب کیا یک چشمی گھونگھٹ
ایک طرف ہے بند بزریا
دُور پرے ہٹ جا بھی گنوریا
ناچ چھما چھم ناچ بندریا
ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ

اچھا اب وہ گیت سُنا دے
ساون بابل دیس دِکھا دے
جھولوں گی سکھیوں میں جھولا
بجلی میری ماں کو بُلا دے
بھائی نے بھی لی نہ خبریا
چھائی ہوئی ہے کالی بدریا
ناچ چھما چھم ناچ بندریا
ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ

ناچتی ہے کٹھ پُتلی جیسے
ٹھمک ٹھمک، ہاں یوں ایسے
محنت کا پھل مِل جائے گا
اِن بچّوں سے مانگ لے پیسے
پیٹ کی بھی لے اپنے خبریا
خوب ذرا پھیلا کے چُنریا
ناچ چھما چھم ناچ بندریا
ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ ڈگ

اسمٰعیل میرٹھی

ایک کُتّا

مُنہ میں ٹکڑا لیے ہوئے کتّا ایک دریا کو تیر کر اُترا

پانی آئینہ سا رہا تھا چمک نظر آتی تھی تہہ کی مٹّی تک

اپنی پرچھائیں پر کیا جو غور اس کو سمجھا کہ ہے یہ کتّا اور

مُنہ میں ٹکڑا دبا رہا ہے یہ گہرے پانی میں جا رہا ہے یہ

حرص نے ایسا بے قرار کیا جھٹ سے غرّا کے اس پہ وار کیا

جوں ہی ٹکڑے پہ اُس نے مُنہ مارا اپنا ٹکڑا بھی کھو دیا سارا

واں نہ ٹکڑا نہ اور کُتّا تھا وہم تھا وہم کے سوا کیا تھا

یوں ہی جتنے ہیں لالچی ناداں کر کے لالچ اُٹھاتے ہیں نقصاں

باندھتے ہیں کہاں کہاں کے خیال اور کھو بیٹھتے ہیں اپنا مال

تم ہوس میں سڑی نہ بن جاؤ

جو ملے اس کو کام میں لاؤ